اسلام اور جدید تجارت ومعیشت

[جامعۃ الرشید کراچی میں تقریب تقسیم اسناد کے موقع پر ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کا خطاب]

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

قابل احترام علماء کرام! میرے انتہائی عزیز طلبہ اور دوستو!

سب سے پہلے میں اپنی طرف سے اور آپ سب کی طرف سے ان طلبہ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں جو آج فارغ التحصیل ہوئے اور ایک ایسے خواب کو حقیقت میں بدلنے کا ذریعہ اور وسیلہ بنے جو امت مسلمہ تقریباً ایک سو سال سے دیکھ رہی تھی۔

برادران محترم! آج دنیائے اسلام کو جو مشکلات اور چیلنجز درپیش ہیں، ان میں سب سے بڑا چیلنج اور سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ دور جدید کی زبان میں، دور جدید کے محاورے میں اور دور جدید کے اسلوب میں قرآن مجید اور حدیث کو بیان کیا جائے۔ آج زبان بدل چکی ہے، محاورہ بدل چکا ہے، اصطلاحات بدل چکی ہیں اور اسلوب بدل چکا ہے، اس لیے آج کل کی زبان میں انسانوں تک اور آج کل کے لوگوں تک قرآن وسنت کی تعلیم کو پہنچانا ان تمام حضرات کے ذمے فرض عین کی حیثیت رکھتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کے علم سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ اس نے جس نبی یا پیغمبر کو بھیجا، اس علاقے اور اس قوم کی زبان اور محاورے کے ساتھ بھیجا جو وہ قوم استعمال کرتی تھی۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ۔ (۱۴:۴) لسان میں محض لغت شامل نہیں ہے۔ لسان میں لغت بھی شامل ہے، محاورہ اور اسلوب بھی شامل ہے، طرز استدلال بھی شامل ہے اور وہ ثقافتی مظاہر بھی شامل ہیں جن کا تعلق زبان اور اظہار بیان سے ہوتا ہے۔ آج جس میدان میں شریعت کی تعلیم کو اس نئے انداز سے بیان کرنے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ اسلام کا قانون معاملات ہے۔

معاملات اور تجارت کے احکام کو شریعت نے اتنی اہمیت دی ہے کہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ دنیا کے کسی مذہب نے، تاریخ کے کسی نظریے نے اور کسی فلسفے نے معیشت وتجارت کو وہ مقام اور اہمیت نہیں دی جو اسلام نے دی

ہے۔ دنیا کے کسی نظام نے معیشت اور تجارت کو اخلاق اور روحانیات سے اس طرح وابستہ نہیں کیا جس طرح اسلام نے ان دونوں کو وابستہ کر دیا ہے۔ دنیا کے کسی نظام میں معیشت وتجارت کی عمارت اخلاقی بنیادوں پر اس طرح قائم نہیں ہوتی جس طرح اسلام نے قائم کی ہے۔ مغربی ماہرین نے یہ بات تسلیم کی ہے۔ ایک بڑے مشہور مغربی ماہر قانون نے لکھا ہے کہ اسلامی شریعت نے اخلاقی قواعد اور اصولوں کو اپنے قانون کے اندر اس طرح سمو دیا ہے کہ قانون پر عمل کرنے والا خود بخود اخلاق پر عمل درآمد کرتا ہے اور اسلام کے اخلاقی اصول کی پاسداری کرنے والا خود بخود اسلام کے قانون پر عمل درآمد کرتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے مکمل طور پر ہم آہنگ اور ایک دوسرے سے مکمل طور پر وابستہ ہو گئے ہیں۔ مغربی دنیا نے اپنی تاریخ کے ایک دور میں بعض گمراہیوں کی وجہ سے قانون اور اخلاق، قانون اور روحانیات کے رشتے کو توڑ دیا۔ مغربی دنیا نے یہ طے کیا کہ قانون وہ ہوگا جس کا اخلاق اور روحانیات سے تعلق نہ ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج قانون کی اصل بنیاد ختم ہو چکی ہے۔ آج غیر اخلاقی اور لا اخلاقی تصورات کو قانون کے دائرے میں داخل کیا جا رہا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قانون اپنی اہمیت، اپنی افادیت اور اپنی تاثیر کھوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ دنیا میں جو روز بروز لاقانونیت بڑھ رہی ہے، دنیا کی حکومتیں اور بڑے بڑے قائدین جس طرح قوانین کو توڑ رہے ہیں، دنیا کے طے شدہ اصولوں کی جس طرح مٹی پلید کی جا رہی ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ، اصل وجہ اور اہم وجہ یہ ہے کہ مغربی دنیا نے قانون اور اخلاق کے رشتے کو توڑ دیا ہے۔ اسلامی شریعت نے پہلے دن سے قانون اور اخلاق، ان دونوں کے رشتے کو اس مضبوطی سے قائم کیا تھا کہ وہ رشتہ آج تک اسی مضبوطی کے ساتھ قائم ہے۔

قانون اور اخلاق کی ضرورت مدرسوں اور خانقاہوں میں اتنی نہیں پڑتی۔ خانقاہوں میں بڑی تھوڑی ضرورت ہوتی ہے۔ مدرسوں میں اور مسجدوں میں ضرورت بہت محدود ہوتی ہے۔ اخلاق اور روحانی اقدار کی ضرورت بازار میں ہوتی ہے۔ اخلاق اور روحانیات کی ضرورت تجارت اور معیشت میں ہوتی ہے۔ جس زمانے میں امام محمد بن الحسن الشیبانی اپنی کتابیں تالیف کر رہے تھے، اس زمانے کے بہت سے محدثین نے زہد پر کتابیں لکھیں۔ امام عبداللہ بن المبارک کی کتاب الزہد اور امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد مشہور ہے۔ متعدد محدثین نے، جن کی تعداد ایک درجن کے قریب ہے، زہد کے موضوع پر کتابیں لکھیں۔ کسی نے امام محمد سے پوچھا کہ آپ نے زہد پر کتاب نہیں لکھی؟ امام محمد نے جواب دیا کہ میں نے کتاب الکسب اور کتاب البیوع لکھ دی ہے۔ خرید وفروخت کے احکام پر، فقہ المعاملات پر میں کتاب لکھ چکا ہوں جو کتاب الزہد کے تمام تقاضوں کو پورا کرے گی۔ یہ بات امام محمد نے کسی کمزور بنیاد پر نہیں فرمائی۔ امام محمد کے اس قول کی تشریح میں امام غزالی نے لکھا ہے کہ مدرسے میں اور خانقاہ میں بیٹھ کر اور اپنے گھر کی تاریکی میں بیٹھ کر استغنا وزہد کی بات کرنا آسان ہے، لیکن بازار میں جہاں خرید وفروخت کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں، جہاں دھوکہ دہی کے لیے سو مواقع روزانہ پیدا ہوتے ہیں، کم تولنے کے موقع پیدا ہوتے ہیں،

گھٹیا سودا دینے اور بڑھیا سودے کی قیمت لینے کے مواقع روز پیدا ہوتے ہیں اور بازار میں بیسیوں آدمی روز یہ کام کر رہے ہوتے ہیں، اس وقت جب ایک شخص اس ناجائز روزی سے بچتا ہے اور جائز اخلاقی، قانونی، دینی تقاضوں کے مطابق تجارت کرتا ہے تو وہ ہر لمحے شیطان کے گلے پر چھری چلاتا ہے۔ یہ جو نفس کا شیطان ہے، اس کے گلے پر چھری چلانا آسان نہیں ہے۔ مسجد میں بیٹھ کر چلائی جا سکتی ہے، خانقاہوں میں چلائی جا سکتی ہے، لیکن جس بازار میں آپ لاکھوں روپے کا کاروبار کر رہے ہوں اور وہ وہاں ایک معمولی غلط بیانی سے لاکھوں روپے کا فائدہ ہونے کا امکان ہو، وہاں اللہ کو حاضر ناظر جان کر اس فائدے سے اپنے کو محروم کرنا یہ دراصل وہ تربیت ہے جو اس روحانی اور اخلاقی اصول سے قائم ہوتی ہے جس پر شریعت نے اپنے احکام کی بنیاد رکھی ہے۔

اللہ کی حکمت بالغہ کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی اور اللہ تعالیٰ کے لامتناہی علم میں یہ بات پہلے سے موجود تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ایک بین الاقوامیت کا دور ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے تمام پیغمبر، تمام آسمانی مذاہب اور تمام آسمانی کتابیں علاقائی پیغام لے کر آئے۔ کسی نے کہا کہ میں بنی اسرائیل کی بھیڑوں کو راہ راست پر لانے کے لیے آیا ہوں۔ کسی نے کہا کہ میں تو بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دلانے آیا ہوں۔ کسی نے کہا کہ میں تو اپنے گاؤں میں آیا ہوں اور اپنے گاؤں کے فلاں حصے کے لیے آیا ہوں۔ قرآن پاک میں شہادت ہے کہ ایک ایک گاؤں میں تین تین نبی اللہ نے بھیجے۔ ایک گاؤں میں تین نبی ہوں گے تو چند گھروں کے ایک نبی ہوں گے اور دوسرے چند گھروں کے دوسرے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دور میں بھیجا گیا جو بین الاقوامی اور عالمگیر دور تھا اور عالمگیریت کا آغاز ہو رہا تھا۔ آپ دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالیں۔ بین الاقوامیت کا دور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے چند عشرے، نصف صدی پہلے شروع ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جد امجد جناب ہاشم بن عبد مناف نے بین الاقوامی تجارتی سفروں کا سلسلہ شروع فرمایا۔ رحلة الشتاء والصيف کا قرآن میں بھی ذکر ہے۔ یہ سفر جناب ہاشم بن عبد مناف کی کوششوں سے شروع ہوا۔ ہاشم نے قیصر روم سے اور شہنشاہ ایران سے اجازت لے کر ان سفروں کے لیے راہداری کے پرمٹ جاری کرائے تھے۔ پھر جناب عبد المطلب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم جناب عباس بن عبد المطلب کا بڑا کاروبار تھا۔

یہ بات محض اتفاق نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پندرہ بیس سال پہلے سے تجارت سے وابستہ تھے اور بطور صادق اور امین کے پورے جزیرۂ عرب میں معروف تھے۔ اسلام کی صف اول کی تمام شخصیات کا تعلق تجارت سے تھا۔ خلفاے اربعہ اور خاص طور سے سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عثمان غنی، اسی طرح عشرہ مبشرہ میں سے بڑی تعداد اور اکثریت کا تعلق تجارت سے تھا۔ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف، سیدنا زبیر بن عبد المطلب، سیدنا زبیر بن العوام سب تجارت کرتے تھے۔ یہ محض اتفاق نہیں ہے، یہ اس لیے ہے کہ یہ ایک ایسی شریعت کے اولین علم

بردار تھے جو بین الاقوامی شریعت تھی۔ بین الاقوامی معاملات اور تعلقات میں سب سے اہم چیز ہمیشہ سے تجارت اور معاشی معاملات رہے ہیں۔ بین الاقوامی قوانین اور بین الاقوامی روابط کی سب سے بڑی اساس تجارت اور لین دین ہے۔ یہ حضرات پہلے سے بین الاقوامی تجارتی لین دین کر رہے تھے۔ گویا اگر میں یہ عرض کروں تو میں حق بجانب ہوں گا کہ اسلامی شریعت اور تجارت کا پہلے دن سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسلامی شریعت اور بین الاقوامی معیشت دونوں پہلے دن سے ایک دوسرے سے وابستہ اور لازم وملزوم ہیں۔ یہ پیغام لے کر وہ شخصیات اٹھیں جو پہلے سے اس میدان میں تھیں، اس لیے کہ اگر کسی ایسی قوم کو یہ پیغام دیا گیا ہوتا جو تجارت اور بین الاقوامی معیشت سے ناواقف ہوتی تو اسلام کے ان احکام پر عمل درآمد شاید اتنی آسانی سے نہ ہوسکتا اور اسلام کے وہ احکام جو پہلی صدی ہجری میں مرتب ہونا شروع ہو گئے، وہ شاید نہ ہو سکتے۔

آج اسلام سے پہلے دور کے متعدد قدیم قوانین موجود ہیں اور کتابوں میں لکھے ہوئے دستیاب ہیں۔ یہودیت کا قانون موجود ہے، ہندو لا موجود ہے، رومن لا موجود ہے، لیکن یہ بات میں بلا تامل آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ اسلام سے پہلے دنیا کے کسی بھی نظام اور قانون میں تجارت اور معیشت پر وہ زور نہیں دیا گیا جو اسلامی شریعت نے دیا ہے۔ اسلامی شریعت کے نزول کی تکمیل کے ڈیڑھ سو سال کے اندر اندر ائمہ اسلام نے درجنوں کتابیں ان قوانین پر مرتب فرما دیں۔ امام شافعی کی کتاب الام پورا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس کا جو نیا ایڈیشن چھپا ہے، وہ پندرہ جلدوں میں ہے اور انسائیکلو پیڈیا سے زیادہ ضخیم ہے۔ اسے تن تنہا ایک فقیہ نے بیٹھ کر مرتب کیا اور اس میں تجارت کے احکام اور قوانین کی جتنی شکلیں ہو سکتی ہیں، ان سب سے بحث کی ہے۔ امام محمد نے ان مسائل پر بحث کی ہے۔ امام محمد سے پہلے ان کے اور امام شافعی کے استاذ امام مالک نے اپنی المدونہ میں، جو چھ جلدوں میں ایک ضخیم کتاب ہے اور بارہا چھپی ہے، تجارت اور معیشت کے تمام جزوی سے جزوی مسائل بیان کیے ہیں۔

تجارت اور معیشت کے احکام بیان کرنا آسان کام نہیں ہے۔ قرآن پاک کی ان تمام آیات کو جب سامنے رکھا گیا جن میں تجارت اور معیشت کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں تو ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ سے ایک ایک فقیہ نے ہزاروں احکام کا استنباط کیا۔ ایک مرتبہ امام شافعی کسی مسجد میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ جن بزرگ نے عشا کی نماز کی امامت کی، انھوں نے سورۂ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت کی۔ امام شافعی رات کو آ کر سو گئے۔ صبح اٹھے تو شاگرد نے پوچھا کہ حضرت، رات کو نیند آ گئی، اچھی طرح سے سوئے؟ امام شافعی نے کہا کہ میں تو ایک منٹ کے لیے نہیں سویا۔ پوچھا جی کیوں؟ امام شافعی نے فرمایا کہ جب تم نے یہ آیت تلاوت کی: وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ (۲:۲۸۰)۔ قرض دار کا ذکر ہے۔ قرض کے احکام بیان ہوئے ہیں کہ اگر تمھارا مقروض تنگ دست ہو تو اسے اس وقت تک مہلت دی جائے، اس وقت تک چھوٹ دی جائے جب تک اس کے پاس خوش حالی

نہ آجائے، جب تک اس کے ہاتھ نہ کھل جائیں۔امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے اس آیت پر غور شروع کیا تو مجھے یہ پتہ چلا کہ اس میں تو اسلام کا قانون افلاس بیان کیا گیا ہے۔ It is the basis of the law of insolvency in Islam۔افلاس(Insolvency) کیا ہے؟وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ ۔آدمی اپنی مالی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل نہ رہے۔جس آدمی کی مالی ذمہ داریاں اور قرضے اس کے وسائل سے بڑھ جائیں، اس کو قانون میں مفلس کہتے ہیں۔وہی صورت حال یہاں بیان ہوئی ہے۔پھر امام شافعی نے فرمایا کہ فوراً ذہن میں یہ آیا کہ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ شریعت نے جو اخلاق معاملات اور تجارت کے بارے میں سکھائے ہیں، وہ قانون افلاس کی بنیاد ہونے چاہییں۔پھر میرے ذہن میں یہ آیا کہ یہ ہونا چاہیے۔پھر یہ ذہن میں آیا، پھر یہ ذہن میں آیا۔امام شافعی بیان فرما رہے ہیں اور طلبہ اور شاگرد سن رہے ہیں۔پھر امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے اس آیت سے ایک سو آٹھ مسئلے اخذ کیے ہیں۔تین حرفی آیت ہے۔اس تین حرفی آیت سے ایک سو آٹھ مسئلے امام شافعی نے قانون افلاس کے مرتب فرمائے۔

اس ایک مثال سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تجارت اور معیشت کے احکام کی اسلام کے نظام میں کتنی اہمیت ہے۔فقہاے اسلام نے قانون تجارت اور قانون معیشت یعنی فقہ المعاملات کے جو مسائل منقح کیے، ان میں سے کئی مسائل ایسے ہیں کہ آج بھی مغربی دنیا ان تک نہیں پہنچی۔انسان کا مزاج یہ ہے کہ گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے۔یہ جو ذخائر کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں، اس کی اہمیت کا احساس نہیں ہوتا، اگر تقابل نہ کیا جائے۔و بضدها تتبين الاشياء۔جب تک یہ نہ دیکھا جائے کہ دوسرے کیا کہتے ہیں، دوسروں کا نظام اور دوسروں کا قانون کیا بتاتا ہے، اس وقت تک اپنی دولت کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا۔اس لیے صحابہ کرام کے دور سے، فقہاے اسلام اور مجتہدین کے دور سے ان کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب شریعت کے احکام پر غور کیا جائے، شریعت کے احکام کو نافذ کیا جائے تو یہ بھی دیکھا جائے کہ شریعت سے انحراف کے کون کون سے راستے بازار میں موجود ہیں۔اس سے ایک تو ان راستوں کو بند کرنے کا موقع ملتا ہے۔دوسرے شریعت کے احکام کے راستے میں رکاوٹوں کا ادراک ہوتا ہے۔پھر اس ادراک کی وجہ سے ان رکاوٹوں کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔سیدنا عمر فاروق کا واقعہ مشہور ہے۔کئی مورخین نے اور سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے کہ وہ کسی منصب کے لیے کسی ذمہ دار آدمی کی تلاش میں تھے۔سیدنا عمر فاروق کا طریقہ تھا کہ کثرت سے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے اور کثرت سے مشورہ کرنے کے بعد، غور کے بعد کسی منصب کے لیے افراد کا تقرر کرتے تھے۔اس دوران میں کسی صحابی نے یا کسی دوست نے کسی صاحب کا نام لیا اور مشورہ دیا کہ آپ ان کو مقرر کر دیں، وہ بہت نیک آدمی ہیں، بہت متقی ہیں۔بہت ان کی تعریف کی اور تعریف میں کہا کہ كانه لا يعرف الشر، گویا کہ وہ شر کو جانتے ہی نہیں۔اتنے اچھے آدمی ہیں کہ سراپا صلاح وتقویٰ ہیں اور

شر کو جانتے ہی نہیں۔ سیدنا عمر فاروق نے فرمایا کہ ایسا آدمی نہیں چاہیے، اس لیے کہ اذا یوشك ان یقع فیه۔ جو شر کو نہیں جانتا، وہ تو شر میں مبتلا ہو جائے گا۔ اسے پتہ ہی نہیں چلے گا کہ شر کیا ہے اور خیر کیا ہے۔ ایسا آدمی چاہیے جو خیر کو بھی جانتا ہو اور شر کو بھی جانتا ہو۔

اس لیے صحابہ کرام کے زمانے سے یہ سنت چلی آ رہی ہے کہ ائمہ اسلام نے اپنے دور کے تمام رائج الوقت طریقوں اور نظاموں کو جانا پہچانا، ان کا ادراک کیا۔ اس ادراک کے بعد جو مسائل سامنے آئے، ان کو سامنے رکھ کر شریعت کے احکام کو مرتب کیا۔ جب سادہ زمانہ تھا، یہودیوں اور کفار مکہ کی گمراہیاں تھیں، عیسائیوں کی گمراہیاں تھیں، تجارت کے معمولی طریقے تھے تو ائمہ مجتہدین نے ان طریقوں سے واقفیت حاصل کی۔ امام محمد بن الحسن الشیبانی کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جس زمانے میں وہ بیوع اور تجارت کے احکام مرتب فرما رہے تھے تو اس زمانے میں بازار میں جا کر بیٹھا کرتے تھے۔ اپنے وقت کا ایک حصہ انھوں نے اس کام کے لیے رکھا تھا کہ بازار میں جا کر بیٹھیں اور دیکھیں کہ تجارت کیسے ہوتی ہے، کاروبار کیسے ہوتا ہے تاکہ ان کو پتہ چلے کہ کاروبار کے طریقے کون کون سے ہیں اور کیا ہیں، تاکہ اس کی روشنی میں وہ شریعت کے احکام کو مرتب کر سکیں۔ پھر جب یونانی علوم وفنون کا دور شروع ہوا تو ائمہ اسلام کی بڑی تعداد نے یونانی علوم وفنون کو حاصل کیا۔ فلسفہ، منطق، ریاضی، اس راستے سے آنے والی گمراہیوں کا سد باب کیا۔ امام غزالی، امام رازی، ابن تیمیہ، یہ وہ شخصیتیں ہیں جنھوں نے یونانی گمراہیوں کی اس طرح موثر تردید کی کہ کوئی بڑے سے بڑا یونانی فلسفی اور منطقی اسلام کے کسی بھی حکم پر اعتراض نہیں کر سکا، حتیٰ کہ خالص اسلامی علوم کو اس طرح منطقی دلائل سے مرتب اور منظّم کر دیا کہ اس زمانے کا کوئی بڑے سے بڑا منطقی اصول فقہ پر یہ اعتراض نہیں کر سکتا تھا کہ اس کا فلاں مسئلہ یا فلاں اصول غیر منطقی ہے۔ علم کلام کو اس طرح مرتب کیا کہ مسلمانوں کے کسی عقیدے کو کوئی بڑے سے بڑا یونانی غیر عقلی قرار دے نہیں سکا۔

ان مثالوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فقہاے اسلام رائج الوقت تجارت اور معیشت، رائج الوقت تصورات، رائج الوقت الحادی نظریات اور رجحانات سے پوری واقفیت حاصل کر کے شریعت کے احکام کو مرتب کرتے تھے۔ فقہاے اسلام نے فقہ المعاملات کے احکام کو مرتب کیا۔ فقہ المعاملات کے احکام کی ترتیب صحابہ کے زمانے سے شروع ہو گئی تھی۔ تابعین میں بعض حضرات نے فقہ المعاملات میں تخصص کیا۔ امام احمد بن حنبل نے ایک جگہ لکھا ہے کہ بیوع کے احکام سب سے زیادہ مرتب انداز میں سعید بن المسیب کے ہاں ملتے ہیں۔ سعید بن المسیب مشہور تابعی ہیں، سید التابعین کہلاتے ہیں اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طویل عرصہ تک شاگرد رہے ہیں۔ انھوں نے خاص طور پر ان احادیث اور سنت کے ان احکام پر غور وخوض کیا جن کا تعلق بیوع اور تجارات سے تھا۔ ایسا ولی کامل، ایسا محدث جلیل جس کو بہت سے حضرات نے سید التابعین قرار دیا ہے، جس نے سالہا سال صحابہ کرام سے کسب

فیض میں گزارے، اس نے تجارت اور معیشت میں آج کل کی اصطلاح کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تخصص پیدا کیا۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تجارت اور بیوع کی، کاروبار کی اہمیت کو صحابہ اور تابعین نے پورے طور پر پہچانا۔ بہت سے حضرات نے اس میں تخصص پیدا کیا اور اس تخصص کی بنیاد پر ائمہ مجتہدین نے احکام مرتب کیے۔

پھر ان حضرات نے صرف احکام مرتب کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ انھوں نے ان احکام کی بنیادیں دریافت کیں۔ شریعت نے کسی چیز کو حرام قرار دیا ہے تو کیوں حرام قرار دیا ہے؟ اس کی علت کیا ہے؟ وہ علت کہاں کہاں پائی جاتی ہے؟ اس علت کو مختلف صورتوں پر منطبق کرنے کے قواعد کیا ہیں؟ خود مال جس کو کہتے ہیں، وہ کیا ہے؟ بیع کیا ہے؟ تجارت کیا ہے؟ اس کی قسمیں کتنی ہیں؟ ان میں سے بہت سے مسائل وہ ہیں کہ مغربی دنیا آج بھی وہاں تک نہیں پہنچی۔ ہمارے یہاں مدرسے میں فقہ کی جو کتابیں طلبہ پڑھتے ہیں، وہ جب کتاب البیوع شروع کرتے ہیں تو پہلے دو تین صفحے پر مال متقوم اور مال غیر متقوم کی بحث آتی ہے۔ یہ تصور آج مغربی قانون میں اس وقت بھی موجود نہیں ہے کہ مال کی پہلے دن سے دو قسمیں کی جائیں۔ ایک وہ مال ہے جس کی مالیت کو، جس کی ملکیت کو جس کے تصرف اور جس سے استفادے کو قانون جائز تصور کرتا ہے اور ایک قسم وہ ہے جس کو جائز تصور نہیں کرتا۔ آج مغربی دنیا یہ کرنا چاہتی ہے، لیکن اس کے پاس یہ تصور نہیں ہے۔ متقوم اور غیر متقوم کا تصور آج بھی ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان کے قانون کی رو سے کسی کو ہیروئن رکھنے کا اختیار نہیں ہے۔ ہیروئن کی خرید بھی ناجائز، فروخت بھی ناجائز۔ وہ شریعت کی رو سے بھی مال غیر متقوم ہے، اس لیے کہ مسکر ہے، لیکن موجودہ قانون میں بھی وہ مال غیر متقوم کہی جا سکتی ہے۔ کوئی شخص اپنی ملکیت میں توپ نہیں رکھ سکتا، ٹینک نہیں رکھ سکتا۔ اگر میں ٹینک خریدوں تو وہ خرید بھی ناجائز اور جو بیچے، وہ فروخت بھی ناجائز۔ یہ بات آج مغربی دنیا کو پریشان کر رہی ہے کہ اگر کسی چیز کی خرید وفروخت پر پابندی لگائی جائے تو کس بنیاد پر لگائی جائے؟ کبھی کہتے ہیں کہ عامۃ الناس کی فلاح میں نہیں ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ اس سے نقصان ہوگا۔ مختلف اسباب بیان کرتے ہیں، لیکن کوئی سبب یا کوئی بنیاد ایسی ٹھوس اور جامع نہیں ہے جو ان تمام جزئیات کو محیط ہو جن جزئیات پر پابندی لگانا مقصود ہے۔ فقہاے اسلام نے، اللہ تعالیٰ ان کو جزاے خیر دے، متقوم اور غیر متقوم، دو اصطلاحات سے اس مسئلے کو حل کر دیا۔

سود کا مسئلہ آپ کو اکثر پیش آتا ہے۔ تاجروں کو پیش آتا ہے۔ سود میں غلط فہمیوں کی ایک وجہ اصطلاحات کا نہ ہونا بھی ہے۔ فقہاے اسلام نے مال کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ یہ سب فقہ المعاملات کے مباحث ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ایک مال وہ ہوتا ہے جس کو استعمال کیا جائے۔ ایک مال وہ ہوتا ہے جس کو خرچ کیا جائے۔ یہ پگڑیاں رکھی ہوئی ہیں، میں آپ سے لے کر سر پر باندھ لوں اور تقریر کے بعد واپس کر دوں تو یہ استعمال ہے۔ آپ کی اس پگڑی کا کچھ نہیں بگڑا۔ جیسی میں نے لی تھی، ویسی ہی واپس کر دی۔ یہ استعمال ہے۔ اس کی عاریت ہوتی ہے۔ اس کو

شریعت کی اصطلاح میں عاریت کہتے ہیں۔ ایک مال وہ ہے کہ جب تک میں اس کو خرچ کر کے فنا نہ کر دوں، میں اس سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ میں آپ سے ایک گلاس پانی مانگوں تو پانی کا کوئی فائدہ نہیں جب تک میں اس کو پی نہ لوں یا اس کو ہاتھ دھو کر اس کو بہا نہ دوں۔ یہ استہلاک ہے۔ ان دونوں کے احکام میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ شریعت میں ایک کو عاریت کہتے ہیں، ایک کو قرض کہتے ہیں۔ انگریزی میں دونوں کے لیے borrow کی اصطلاح ہے۔ آپ لائبریری سے کتاب بھی borrow کرتے ہیں اور بینک سے رقم بھی borrow کرتے ہیں۔ اب جو اس فرق سے واقف نہیں ہے، وہ کہتا ہے کہ میں کتاب borrow کر کے اس کا کرایہ دے دوں تو آپ اس کو جائز کہتے ہیں اور بینک سے پیسے borrow کروں اور اس کا کرایہ دوں تو آپ ناجائز کہتے ہیں! اس میں فرق کیا ہے؟ وہ اس لیے نہیں سمجھتا کہ اس کے ہاں یہ تصور نہیں ہے، اصطلاحات نہیں ہیں۔

اس طرح کے بے شمار احکام ہیں جو فقہ المعاملات میں فقہا نے مرتب کیے۔ فقہ المعاملات میں یہ بتایا گیا کہ مال کی تعریف کیا ہے؟ مال کہتے کس کو ہیں؟ جس چیز کو مال کہتے ہیں، اس کی خرید و فروخت کے احکام کیا ہیں؟ پھر مال اور ثمن میں کیا فرق ہے؟ یعنی جس کو آج کل زر (Money) کہتے ہیں، وہ کیا ہے؟ یہ بات آپ کے لیے حیرت انگیز ہوگی کہ آج کل جو Money کی تعریف کی جاتی ہے، زر کی تعریف کی جاتی ہے، بعینہ یہ تعریف فقہاے اسلام کے ہاں موجود ہے۔ امام مالک نے کہا ہے کہ زر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ما یقتات بہ، ما یدخر بہ ہو، یعنی جس کو ذخیرہ کیا جا سکے، جس کو محفوظ کیا جا سکے۔ ادخار یعنی Store of value یہ آج کل کی اصطلاح ہے۔ اس کے لیے امام مالک نے ادخار کی اصطلاح استعمال فرمائی۔ امام مالک سے پہلے روئے زمین پر کسی قانون دان کے ذہن میں یہ تصور نہیں آیا تھا۔ نہ رومن لا میں ہے، نہ ہندو لا میں ہے نہ ہی یہودی لا میں ہے۔ شریعت میں موجود ہے، امام مالک نے دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے ہاں تصور یہ ہے کہ زر وہ چیز ہے جو گنی جا سکے، تولی جا سکے، ناپی جا سکے۔ یہ تصور بھی آج کل زر کی تعریف میں موجود ہے۔ اس لیے اپنے اس ذخیرے کی قدر کرنا ہمیں سیکھنا چاہیے۔ اس ذخیرے سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے، لیکن ہمارے تاجر حضرات ان اصطلاحات سے اکثر واقف نہیں ہوتے جو فقہا نے استعمال کی ہیں۔ ہمارے علما اور مفتی حضرات ان اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے جو جو نا مارکیٹ اور صدر میں استعمال ہو رہی ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک درمیانی واسطہ ہو۔ وہ درمیانی واسطہ یہ نوجوان علما ہیں جنھوں نے آج کل کا بزنس ایڈمنسٹریشن بھی سیکھ لیا ہے اور شریعت کے وہ پہلے سے متخصص ہیں۔ یہ حضرات اس نئے دور کے نقیب ہیں، ایک نئے دور کے مناد ہیں جس کی امت مسلمہ منتظر ہے۔ امت مسلمہ سو سال سے اس کی منتظر تھی۔

ابھی ایک دوست نے شیخ الہند کا ذکر فرمایا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انتقال سے چند مہینے پہلے جامعہ ملیہ کا افتتاح فرمایا تھا۔ جامعہ ملیہ آج ہندوستان کی ایک عام سیکولر یونیورسٹی بن گئی یا بنا دی گئی۔ جامعہ ملیہ کا مقصد

یہ تھا کہ ایک ایسا تعلیمی ادارہ بنایا جائے جو علی گڑھ اور دیوبند کا سنگم ہو، جس میں علی گڑھ کی اور دیوبند کی تمام خصوصیات موجود ہوں۔ شیخ الہند اس کا افتتاح کرنے کے لیے دیوبند سے علی گڑھ تشریف لے گئے تھے۔ علی گڑھ میں افتتاح ہوا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر اس کے پہلے امیر یعنی چانسلر مقرر ہوئے تھے اور انھوں نے علامہ اقبال سے گزارش کی تھی کہ آپ اس کے پہلے وائس چانسلر ہو جائیں۔ اس سے آپ اندازہ کریں کہ ۱۹۱۹ء، ۱۹۲۰ء میں یہ احساس حضرت شیخ الہند میں موجود تھا جو دار العلوم دیوبند کے پہلے طالب علم تھے، یہ بات آپ سب کے علم میں ہوگی۔ انھوں نے ۱۹۱۹ء میں اس کا احساس کیا تھا۔ آج ۲۰۱۰ء میں ہم اس احساس کا عملی مظہر دیکھ رہے ہیں۔ ہم نے نوے سال کی تاخیر کر دی ہے۔ اگر یہ نوے سال کی تاخیر نہ ہوتی تو شاید آج ہمارے دوستوں کو یہ شکایت کرنے کا موقع نہ ملتا کہ ہم دنیا سے پیچھے ہیں، ہم دنیا کے مقلد ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کارساز ہے۔ وہ اس تاخیر سے درگزر فرمائے اور اس تاخیر کے نقصانات سے ہمیں محفوظ رکھے اور ان برکات و نتائج سے ہمیں مالا مال فرمائے جو اس پروگرام سے پیش نظر ہیں۔

اسلام میں تجارت کے احکام فقہ اسلامی کا سب سے بڑا حصہ ہیں۔ فقہ اسلامی کے اگر بڑے بڑے اجزا بیان کیے جائیں تو ایک جز عبادات کا ہے۔ نماز روزہ جو تعلق مع اللہ کے لیے ہے۔ اسلام کا بنیادی مقصد ہی اللہ کی عبادت ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۵۶:۵۱) اس لیے عبادات الٰہی کے لیے جو احکام ہیں، وہ بھی اتنی ہی اہمیت رکھتے ہیں جتنی تجارت کے احکام رکھتے ہیں، بلکہ ترتیب میں وہ سب سے پہلے ہیں۔ اس کے بعد ایک مسلمان کی تربیت اور تعلیم کا، مسلمان کی تیاری کا، نئی امت مسلمہ کی نشو و نما کا جو سب سے بڑا مرکز اور درس گاہ ہے، وہ ماں کی گود ہے اور گھر ہے، ماں باپ کی سرپرستی ہے۔ نانی اور دادی کی لوریاں ہیں۔ جب تک یہ درس گاہ مسلمانوں میں محفوظ تھی، مسلمان گھر خطرے سے محفوظ تھے۔ آج یہ درس گاہ بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی ہے۔ اس لیے شریعت نے اس درس گاہ کے احکام دیے ہیں۔ قرآن پاک کی آیات احکام میں ایک تہائی کا تعلق عبادات سے ہے اور ایک تہائی کا تعلق عائلی احکام و قوانین سے ہے۔ اس کے بعد فقہ المعاملات میں فقہاے اسلام نے جتنی تفصیل سے معاملات کو مرتب کیا ہے، اس تفصیل میں، اس وسعت میں، اس گہرائی میں فقہ اسلامی کا کوئی حصہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ عبادات میں تو کسی تفصیل کی زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ عبادات میں نہ کوئی نئی عبادت وضع کی جا سکتی ہے نہ کوئی نئی صورت وضع کی جا سکتی ہے۔ اس لیے عبادات میں تو جو حدود اللہ نے مقرر کر دیے ہیں، اسی کے اندر رہنا پڑے گا اور اس کے احکام بھی محدود ہوں گے۔ اس کے باوجود فقہاے اسلام نے ہزاروں صفحات پر مشتمل سیکڑوں جلدیں تیار کر دیں۔ لیکن معاملات کا جہاں تک تعلق ہے تو اس میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔ الاصل فی المعاملات الاباحۃ۔ جو نیا کاروبار یا تجارت آج آپ سوچ لیں کہ آپ فلاں کاروبار کریں گے، اگر اس میں کوئی چیز شریعت سے متعارض نہیں ہے تو وہ جائز ہے۔ اس میں ربا نہیں ہے، اس میں قمار نہیں ہے، اس میں غرر نہیں ہے، فلاں فلاں برائیاں نہیں ہیں تو وہ جائز

ہے، اس کا نام جو بھی ہو۔ چونکہ اس میں راستہ کھلا ہوا ہے، میدان کھلا ہوا ہے، اس لیے فقہاے اسلام نے ہر دور میں نئی شکلیں مرتب کیں۔ جب کوئی نئی شکل تجارت کی آئی، فقہا نے اس کے احکام مرتب کیے۔

امام محمد اور امام مالک اور امام شافعی کے ہاں بیع الوفاء کا ذکر نہیں ہے۔ بیع الوفاء کے نام سے ایک بیع کا آغاز پانچویں چھٹی صدی میں ہمارے سنٹرل ایشیا میں، سمرقند، بخارا، ماوراء النہر میں ہوا تو فقہا نے اس کے احکام مرتب کر دیے۔ سوکرہ یعنی سکیورٹی یا انشورنس کا مسئلہ اٹھارھویں انیسویں صدی میں سامنے آیا تو علامہ ابن عابدین نے سوکرہ کے احکام مرتب کر دیے۔ رد المختار میں سوکرہ کا باب موجود ہے، اس کے احکام موجود ہیں۔ اس لیے تجارت اور معیشت کے ابواب فقہ اسلامی میں مسلسل وسعت پذیر ہوتے رہے ہیں اور ہر دور میں اس میں نئے اضافے ہوتے رہے ہیں۔ جو بنیادی تصورات تھے، ان کی روشنی میں فقہاے اسلام نے احکام مرتب فرمائے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ان قواعد کی تعداد پچیس تیس سے زیادہ نہیں تھی، لیکن اب صورت یہ ہے کہ او آئی سی کی اسلامک فقہ اکیڈمی نے ایک پروگرام بنایا کہ ان قواعد کو مرتب کروایا جائے جن کا تعلق معاملات سے ہے۔ ان سے پہلے ایک اور سعودی ادارے نے کچھ علما کو مقرر کیا کہ معاملات سے متعلق قواعد فقہیہ (Legam Maxims) مدون کریں۔ احکام یعنی Rules of Law نہیں، وہ تو بے شمار ہیں۔ صرف Legam Maxims کو مدون کیا جائے۔ چنانچہ وہ بارہ جلدوں میں مدون ہوئے ہیں۔ انگریزی کی کوئی کتاب جس میں سارے لیگل میکسم جمع ہوں، دو سے زائد جلدوں میں نہیں ہے۔ یہاں صرف معاملات کے لیگل میکسم بارہ جلدوں میں مرتب ہیں، چھپ چکے ہیں۔ اب او آئی سی کی فقہ اکیڈمی نے یہ کام شروع کروایا ہے۔ وہاں کے صدر نے خود مجھے بتایا کہ ہم نے یہ کام شروع کروایا ہے۔ اب تک جو مواد ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک سو جلدوں میں یہ کام مرتب ہوگا۔ اس سے آپ فقہ المعاملات کی وسعت کا، گہرائی اور تعمق کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مجھے ابھی یہ خیال ہو رہا تھا کہ فقہ المعاملات میں دو سال، تین سال یا چار سال میں تخصص کیسے ہوگا۔ میرے خیال میں تو اس میں چار پانچ نسلیں لگانی چاہییں۔ تین نسلیں ہوں جو طے کریں۔ پہلے دادا پڑھے، پھر بیٹا پڑھے، پھر پوتا پڑھے تو جا کے شاید تخصص ہو سکے گا۔ جس قانون کے قواعد فقہیہ، لیگل میکسمز سو جلدوں میں آ رہے ہیں، اندازہ کریں کہ اس میں مہارت کے لیے کتنا وقت درکار ہے، لیکن یہ بیج حضرت مفتی صاحب نے ڈال دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو تناور درخت بنائے، اس درخت سے مزید بیج پیدا کرے، اس بیج سے مزید گل و گلزار پیدا ہوں اور یوں اللہ کرے کہ ایک نئے دور کا آغاز ہو۔

میں نے آپ کا وقت بہت لے لیا اور شاید اوروں سے زیادہ گفتگو میں نے کر لی، اس لیے معذرت چاہتا ہوں۔ اگر گفتگو مفید ہوئی تو اس روحانی ماحول کی برکت سے ہوئی۔ غیر مفید ہوئی تو میری کوتاہی اور کم علمی کی وجہ سے ہوئی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔